

یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں،<sup>(۱)</sup> تو آپ قرآن کے ذریعہ انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے وعید (ڈراوے کے وعدوں) سے ڈرتے ہیں۔<sup>(۲)</sup> (۳۵)

سورہ ذاریات مکی ہے اور اس میں ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

- قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اڑا کر۔<sup>(۱)</sup>  
 پھراٹھانے والیاں بوجھ کو۔<sup>(۲)</sup>  
 پھر چلنے والیاں نرمی سے۔<sup>(۳)</sup>  
 پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں۔<sup>(۴)</sup>

مَنْ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكَرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ﴿۳۵﴾

### سُورَةُ الذَّارِيَاتِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾

- وَالذَّارِيَاتِ ذُرًّا ﴿۱﴾  
 فَالْحَالِاتِ ذُرًّا ﴿۲﴾  
 فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا ﴿۳﴾  
 فَالْمُتَسِمَاتِ أَمْرًا ﴿۴﴾

(۱) یعنی آپ ﷺ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بلکہ آپ ﷺ کا کام صرف تبلیغ و دعوت ہے، وہ کرتے رہیں۔

(۲) یعنی آپ ﷺ کی دعوت و تذکیر سے وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ سے اور اس کی وعیدوں سے ڈرتا اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہو گا۔ اسی لیے حضرت قتادہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے «اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَخَافُ وَعِيدِكَ، وَيَزُجُّ مَوْعُودَكَ، يَا بَارُّ يَا رَحِيمُ» اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے کر جو تیری وعیدوں سے ڈرتے اور تیرے وعدوں کی امید رکھتے ہیں۔ اے احسان کرنے والے رحم فرمانے والے۔“

(۳) اس سے مراد ہوائیں ہیں جو مٹی کو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔

(۴) وقرّ، ہر وہ بوجھ جسے کوئی جاندار لے کر چلے، حاملات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھائے ہوئے ہیں، یا پھر وہ بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں جیسے چوپائے، حمل کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

(۵) جَارِيَاتُ، پانی میں چلنے والی کشتیاں، يُسْرًا آسانی سے۔

(۶) مُتَسِمَاتُ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کاموں کو تقسیم کر لیتے ہیں۔ کوئی رحمت کا فرشتہ ہے تو کوئی عذاب کا، کوئی پانی کا ہے تو کوئی سختی (یعنی قحط سالی وغیرہ) کا، کوئی ہواؤں کا فرشتہ ہے تو کوئی موت اور حوادث کا۔ بعض نے ان سب سے صرف ہوائیں مراد لی ہیں اور ان سب کو ہواؤں کی صفت بنایا ہے، جیسے فاضل مترجم نے بھی اسی

یقین مانو کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں (سب) سچے ہیں۔ (۵)

اور بیشک انصاف ہونے والا ہے۔ (۶)

قسم ہے راہوں والے آسمان کی۔ (۷)

یقیناً تم مختلف بات میں پڑے ہوئے ہو۔ (۸)

اس سے وہی باز رکھا جاتا ہے (۳) جو پھیر دیا گیا ہو۔ (۹)

بے سند باتیں کرنے والے غارت کر دیئے گئے۔ (۱۰)

جو غفلت میں ہیں اور بھولے ہوئے ہیں۔ (۱۱)

پوچھتے ہیں کہ یوم جزا کب ہو گا؟ (۱۲)

ہاں یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ (۱۳)

إِنَّمَا تُوْعَدُونَ لَصَادِقٌ ۝

وَرَأَى الَّذِينَ لَوِاقِعٌ ۝

وَالسَّمَاءَ ذَاتِ الْحُبُوبِ ۝

إِنَّمَا لَكُمْ لِقَايَ أَهْلِكُمْ ۝

يُؤْتِكُمْ عَنْهُ مِنْ آيَاتِهِ ۝

مَثَلِ الْغَرَضُونَ ۝

الَّذِينَ هُمْ عَنْ عَهْدٍ إِلَى اللَّهِ ۝

يَسْتَلُونَ أَتَانِ يَوْمَ الْبُرْجِ ۝

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفَعَّنُونَ ۝

کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ لیکن ہم نے امام ابن کثیر اور امام شوکانی کی تفسیر کے مطابق تشریح کی ہے۔ قسم سے مقصد مقسم علیہ کی سچائی کو بیان کرنا ہوتا ہے یا بعض دفعہ صرف تاکید مقصود ہوتی ہے اور بعض دفعہ مقسم علیہ کو دلیل کے طور پر پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں قسم کی یہی تیسری قسم ہے۔ آگے جو اب قسم یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں یقیناً وہ سچے ہیں اور قیامت برپا ہو کر رہے گی جس میں انصاف کیا جائے گا۔ یہ ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا پانی کو اٹھانا، سمندروں میں کشتیوں کا چلنا اور فرشتوں کا مختلف امور کو سرانجام دینا، قیامت کے وقوع پر دلیل ہے، کیونکہ جو ذات یہ سارے کام کرتی ہے جو بظاہر نہایت مشکل اور اسباب عادیہ کے خلاف ہیں، وہی ذات قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ بھی کر سکتی ہے۔

(۱) دوسرا ترجمہ، حسن و جمال اور زینت و رونق والا کیا گیا ہے، چاند، سورج، کوکب و سیارات، روشن ستارے، اس کی بلندی اور وسعت، یہ سب چیزیں آسمان کی رونق و زینت اور خوب صورتی کا باعث ہیں۔

(۲) یعنی اے اہل مکہ! تمہارا کسی بات میں آپس میں اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے پیغمبر کو تم میں سے کوئی جادوگر، کوئی شاعر، کوئی کاہن اور کوئی کذاب کتا ہے۔ اسی طرح کوئی قیامت کی بالکل نفی کرتا ہے، کوئی شک کا اظہار، علاوہ ازیں ایک طرف اللہ کے خالق اور رازق ہونے کا اعتراف کرتے ہو، دوسری طرف دوسروں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔

(۳) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے، یا حق سے یعنی بعثت و توحید سے یا مطلب ہے مذکورہ اختلاف سے وہ شخص پھیر دیا گیا جسے اللہ نے اپنی توفیق سے پھیر دیا، پہلے مفہوم میں ذم ہے۔ دوسرے میں مدح۔

(۴) يُفَعَّنُونَ کے معنی ہیں يُحَرِّقُونَ وَيُعَذِّبُونَ، جس طرح سونے کو آگ میں ڈال کر جانچا پر کھا جاتا ہے، اسی طرح یہ

اپنی فتنہ پر دازی کا مزہ چکھو،<sup>(۱)</sup> یہی ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ (۱۴)

پیشک تقویٰ والے لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (۱۵)

ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اسے لے رہے ہوں گے وہ تو اس سے پہلے ہی نیکو کار تھے۔ (۱۶)

وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔<sup>(۲)</sup> (۱۷)

اور وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے۔<sup>(۳)</sup> (۱۸)

اور ان کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا۔<sup>(۴)</sup> (۱۹)

اور یقین والوں کے لیے تو زمین میں بہت سی نشانیاں

ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۱۴﴾

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۵﴾

أَخِذُوا مِن مَّا آتَاكُمْ رَبُّكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُجْسِبِينَ ﴿۱۶﴾

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿۱۷﴾

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۱۸﴾

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۱۹﴾

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۲۰﴾

آگ میں ڈالے جائیں گے۔

(۱) فِتْنَةٌ، بمعنی عذاب یا آگ میں جلنا۔

(۲) هُجُوعٌ کے معنی ہیں 'رات کو سونا۔ مَا يَهْجَعُونَ میں ما تاکید کے لیے ہے۔ وہ رات کو کم سوتے تھے 'مطلب ہے ساری رات سو کر غفلت اور عیش و عشرت میں نہیں گزار دیتے تھے۔ بلکہ رات کا کچھ حصہ اللہ کی یاد میں اور اس کی بارگاہ میں گزراتے ہوئے گزارتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں بھی قیام اللیل کی تاکید ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں فرمایا "لوگو! لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، سلام پھیلاؤ اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو، جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے"۔ (مسند احمد، ۵/۳۵۱)

(۳) وقت سحر، قبولیت دعا کے بہترین اوقات میں سے ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ "جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان پر نزول فرماتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں، کوئی سائل ہے کہ میں اس کے سوال کو پورا کر دوں۔ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب صلوة المسافرین، باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل والإجابة فیہ)

(۴) محروم سے مراد، وہ ضرورت مند ہے جو سوال سے اجتناب کرتا ہے۔ چنانچہ مستحق ہونے کے باوجود لوگ اسے نہیں دیتے۔ یا وہ شخص ہے جس کا سب کچھ 'آفت ارضی و سماوی میں' تباہ ہو جائے۔

ہیں۔ (۲۰)  
اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں

ہو۔ (۲۱)

اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب  
آسمان میں ہے۔ (۲۲)<sup>(۱)</sup>

آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم! کہ یہ (۲) بالکل برحق  
ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو۔ (۲۳)

کیا تجھے ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی خبر  
بھی پہنچی ہے؟ (۲۴)<sup>(۳)</sup>

وہ جب ان کے ہاں آئے تو سلام کیا، ابراہیم نے جواب  
سلام دیا (اور کہا یہ تو) اجنبی لوگ ہیں۔ (۲۵)<sup>(۴)</sup>

پھر (چپ چاپ جلدی جلدی) اپنے گھر والوں کی طرف  
گئے اور ایک فریہ مچھڑے (کا گوشت) لائے۔ (۲۶)

اور اسے ان کے پاس رکھا اور کہا آپ کھاتے کیوں  
نہیں؟ (۲۷)<sup>(۵)</sup>

پھر تو دل ہی دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے (۶) انہوں نے کہا

وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿۲۱﴾

قَوْرَبِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَشَدِيدٌ عَلَيْكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ فَلَا تَنْطَلِقُونَ ﴿۲۲﴾

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثٌ صَبِيحَ إِبرَاهِيمَ الْمَكْرُمِينَ ﴿۲۳﴾

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿۲۴﴾

فَرَأَى إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجَلٍ صَبِيحٍ ﴿۲۵﴾

فَكَرِهَ إِلَيْهِمْ قَالُوا لَا تَأْكُلُونَا ﴿۲۶﴾

فَأَدْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَحْزَنْ وَبَشِّرْهُم بِعِلْمٍ عَلَيْهِمُ ﴿۲۷﴾

(۱) یعنی بارش بھی آسمان سے ہوتی ہے جس سے تمہارا رزق پیدا ہوتا ہے اور جنت دوزخ ثواب و عتاب بھی آسمانوں  
میں ہے جن کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

(۲) إِنَّہ میں ضمیر کا مرجع (یہ) وہ امور و آیات ہیں جو مذکور ہوئیں۔

(۳) هَلْ استفہام کے لیے ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تنبیہ ہے کہ اس قصے کا تجھے علم نہیں، بلکہ ہم تجھے  
وحی کے ذریعے سے مطلع کر رہے ہیں۔

(۴) یہ اپنے جی میں کہا، ان سے خطاب کر کے نہیں کہا۔

(۵) یعنی سامنے رکھنے کے باوجود انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھایا تو پوچھا۔

(۶) ڈر اس لیے محسوس کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھے، یہ کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ  
آنے والے کسی خیر کی نیت سے نہیں بلکہ شر کی نیت سے آئے ہیں۔

آپ خوف نہ کیجئے۔<sup>(۱)</sup> اور انہوں نے اس (حضرت ابراہیم) کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔ (۲۸)

پس ان کی بیوی آگے بڑھی اور حیرت<sup>(۲)</sup> میں آکر اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ ہی بانجھ۔ (۲۹)

انہوں نے کہا ہاں تیرے پروردگار نے اسی طرح فرمایا ہے، بیشک وہ حکیم و علیم ہے۔<sup>(۳)</sup> (۳۰)

فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَۓةٍ فَصَلَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ۝

قَالُوا كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ لِمَا هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۝

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر فرشتوں نے کہا۔

(۲) صَرَۓةٍ کے دوسرے معنی ہیں چیخ و پکار، یعنی چیختے ہوئے کہا۔

(۳) یعنی جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے، یہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہا ہے، بلکہ تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے جس کی ہم تجھے اطلاع دے رہے ہیں، اس لیے اس پر تعجب کی ضرورت ہے نہ شک کرنے کی، اس لیے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ لامحالہ ہو کر رہتا ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۱﴾

قَالُوا إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْقُرْآنَ يُعْزِمُوكَ ﴿۳۲﴾

لِيُنزِلَ عَلَيْهِمْ جَنَّاتٍ مِنْ تَحْتِهَا

سُورَةٌ مِنْ أَعْدَانِكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۳﴾

فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۴﴾

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۵﴾

(حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے کہا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتوں!) تمہارا کیا مقصد ہے؟<sup>(۱)</sup> (۳۱)

انہوں نے جواب دیا کہ ہم گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔<sup>(۲)</sup> (۳۲)

تاکہ ہم ان پر مٹی کے کنکر برسائیں۔<sup>(۳)</sup> (۳۳)

جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں، ان حد سے گزر جانے والوں کے لیے۔<sup>(۴)</sup> (۳۴)

پس جتنے ایمان والے وہاں تھے ہم نے انہیں نکال لیا۔<sup>(۵)</sup> (۳۵)

اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا۔<sup>(۶)</sup> (۳۶)

(۱) خَطْبُ شَان 'قصہ' یعنی اس بشارت کے علاوہ تمہارا اور کیا کام اور مقصد ہے جس کے لیے تمہیں بھیجا گیا ہے۔

(۲) اس سے مراد قوم لوط ہے جن کا سب سے بڑا جرم لواطت تھا۔

(۳) برسائیں کا مطلب ہے، ان کنکریوں سے انہیں رجم کر دیں۔ یہ کنکریاں خالص پتھر کی تھیں نہ آسمانی اولے تھے، بلکہ مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔

(۴) مُسَوَّمَةٌ (نامزد یا نشان زدہ) ان کی مخصوص علامت تھی جن سے انہیں پہچان لیا جاتا تھا، یا وہ عذاب کے لیے مخصوص تھیں، بعض کہتے ہیں کہ جس کنکری سے جس کی موت واقع ہوئی تھی، اس پر اس کا نام لکھا ہوتا تھا مُسْرَفِينٌ جو شرک و ضلالت میں بہت بڑھے ہوئے اور فسق و فجور میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

(۵) یعنی عذاب آنے سے قبل ہم نے ان کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا تاکہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں۔

(۶) اور یہ اللہ کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کا گھر تھا، جس میں ان کی دو بیٹیاں اور کچھ ان پر ایمان لانے والے تھے۔ کہتے ہیں یہ کل تیرہ آدمی تھے۔ ان میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں تھی۔ بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہونے والوں میں سے تھی۔ (ایسر التفاسیر) اسلام کے معنی ہیں، اطاعت و انقیاد۔ اللہ کے حکموں پر سر اطاعت خم کر دینے والا مسلم ہے، اس اعتبار سے ہر مومن، مسلمان ہے۔ اسی لیے پہلے ان کے لیے مومن کا لفظ استعمال کیا، اور پھر ان ہی کے لیے مسلم کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان کے مصداق میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ بعض لوگ مومن اور مسلم کے درمیان کرتے ہیں۔ قرآن نے جو کہیں مومن اور کہیں مسلم کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہ ان معانی کے اعتبار سے ہے جو عربی لغت کی رو سے ان کے درمیان ہے۔ اس لیے لغوی استعمال کے مقابلے میں حقیقت شرعیہ کا اعتبار زیادہ ضروری ہے اور حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے ان کے درمیان صرف وہی فرق ہے جو حدیث

اور وہاں ہم نے ان کے لیے جو دردناک عذاب کا ڈر رکھتے ہیں ایک (کامل) علامت چھوڑی۔<sup>(۱)</sup> (۳۷)

موسیٰ (علیہ السلام کے قصے) میں (بھی ہماری طرف سے تشبیہ ہے) کہ ہم نے اسے فرعون کی طرف کھلی دلیل دے کر بھیجا۔ (۳۸)

پس اس نے اپنے بل بوتے پر منہ موڑا<sup>(۲)</sup> اور کہنے لگایہ جادو گر ہے یا دیوانہ ہے۔ (۳۹)

بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو اپنے عذاب میں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا وہ تھامی ملامت کے قابل۔<sup>(۳)</sup> (۴۰)

اسی طرح عادیوں میں<sup>(۴)</sup> بھی (ہماری طرف سے تشبیہ ہے) جب کہ ہم نے ان پر خیر و برکت سے<sup>(۵)</sup> خالی

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْكَلِيمَ ﴿۳۷﴾

وَقَالَ مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾

فَقَوْلِي بِرَبِّهِ وَقَالَ لِمَ أُرْسِلُونَ ﴿۳۹﴾

فَلَخَذْنَاهُ وَجُودًا فَنَبَذْنَاهُ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۴۰﴾

وَقِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَةَ ﴿۴۱﴾

جبرائیل علیہ السلام سے ثابت ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا "لا اِلٰهَ اِلاَّ اللہ کی شہادت، اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، حج اور صیام رمضان۔ اور جب ایمان کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا "اللہ پر ایمان لانا، اس کے ملائکہ، کتابوں، رسولوں اور تقدیر (خیر و شر کے من جانب اللہ ہونے) پر ایمان رکھنا" یعنی دل سے ان چیزوں پر یقین رکھنا ایمان اور احکام و فرائض کی ادائیگی اسلام ہے۔ اس لحاظ سے ہر مومن، مسلمان اور ہر مسلمان مومن ہے (فتح القدیر) اور جو مومن اور مسلم کے درمیان فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ یہاں قرآن نے ایک ہی گروہ کے لیے مومن اور مسلم کے الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن ان کے درمیان جو فرق ہے اس کی رو سے ہر مومن، مسلم بھی ہے، تاہم ہر مسلم کا مومن ہونا ضروری نہیں (ابن کثیر) بہر حال یہ ایک علمی بحث ہے۔ فریقین کے پاس اپنے اپنے موقف پر استدلال کے لیے دلائل موجود ہیں۔

(۱) یہ آیت یا کامل علامت وہ آثار عذاب ہیں جو ان ہلاک شدہ بستیوں میں ایک عرصے تک باقی رہے۔ اور یہ علامت بھی انہی کے لیے ہیں جو عذاب الہی سے ڈرنے والے ہیں، کیونکہ وعظ و نصیحت کا اثر بھی وہی قبول کرتے اور آیات میں غور و فکر بھی وہی کرتے ہیں۔

(۲) جانبِ اقویٰ کو رکن کہتے ہیں۔ یہاں مراد اس کی اپنی قوت اور لشکر ہے۔

(۳) یعنی اس کے کام ہی ایسے تھے کہ جن پر وہ ملامت ہی کا مستحق تھا۔

(۴) اُنّی: تَرَكْنَا فِيهَا قِصَّةً عَادٍ آيَةً عَادَ كَقِصَّةِ مُوسَىٰ فِي مِثْلِهِ نَشَانِي چھوڑی۔

(۵) الرِّيحَ الْعَقِيمَةَ (بانجھ ہوا) جس میں خیر و برکت نہیں تھی، وہ ہوا درختوں کو شمر آور کرنے والی تھی نہ بارش کی

آندھی بھیجی۔ (۳۱)

وہ جس جس چیز پر گرتی تھی اسے بوسیدہ ہڈی کی طرح  
(چوراچورا) کر دیتی تھی۔<sup>(۱)</sup> (۳۲)

اور ثمود (کے قصبے) میں بھی (عبرت) ہے جب ان سے کہا  
گیا کہ تم کچھ دنوں تک فائدہ اٹھا لو۔<sup>(۲)</sup> (۳۳)

لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی جس پر  
انہیں ان کے دیکھتے دیکھتے (تیز و تند) کڑا کے<sup>(۳)</sup> نے  
ہلاک کر دیا۔ (۳۴)

پس نہ تو وہ کھڑے ہو سکے<sup>(۴)</sup> اور نہ بدلہ لے سکے۔<sup>(۵)</sup> (۳۵)

اور نوح (علیہ السلام) کی قوم کا بھی اس سے پہلے (یہی  
حال ہو چکا تھا) وہ بھی بڑے نافرمان لوگ تھے۔<sup>(۶)</sup> (۳۶)

آسمان کو ہم نے (اپنے) ہاتھوں سے بنایا ہے<sup>(۷)</sup> اور یقیناً  
ہم کشادگی کرنے والے ہیں۔<sup>(۸)</sup> (۳۷)

مَا تَذُرْنَ نَسِيًّا ۖ آتَتْ عَلَيْهِمُ الْآجِلَاتُ كَالرَّيْمِ ۝۳۱

وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ۝۳۲

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذْنَا مِمُّمَ الضُّعْفَةَ ۖ وَهُمْ يُنظَرُونَ ۝۳۳

فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُتَعَبِينَ ۝۳۴

وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِيقِينَ ۝۳۵

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدِينَا ۖ وَرَأْسُ السَّمَوَاتِ مَوْجُونَ ۝۳۶

پیامبر، بلکہ صرف ہلاکت اور عذاب کی ہوا تھی۔

(۱) یہ اس ہوا کی تاثیر تھی جو قوم عاد پر بطور عذاب بھیجی گئی تھی۔ یہ تند و تیز ہوا، سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی (الحاقہ)

(۲) یعنی جب انہوں نے اپنے ہی طلب کردہ معجزے او نمٹی کو قتل کر دیا، تو ان کو کہہ دیا گیا کہ اب تین دن اور تم دنیا کے مزے لوٹ لو، تین دن کے بعد تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے اسے حضرت صالح علیہ السلام کی ابتدائے نبوت کا قول قرار دیا ہے۔ الفاظ اس مفہوم کے بھی متحمل ہیں بلکہ سیاق سے یہی معنی زیادہ قریب ہیں۔  
(۳) یہ صَاعِقَةُ (کڑا کا) آسمانی چیخ تھی اور اس کے ساتھ نیچے سے رَجْفَةٌ (زلزلہ) تھا جیسا کہ سورہ اعراف ۷۸ میں ہے۔  
(۴) چہ جائیکہ وہ بھاگ سکیں۔

(۵) یعنی اللہ کے عذاب سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے۔

(۶) قوم نوح، عاد، فرعون اور ثمود وغیرہ سے بہت پہلے گزری ہے۔ اس نے بھی اطاعت الہی کے بجائے اس کی بغاوت کا راستہ اختیار کیا تھا۔ بالآخر اسے طوفان میں ڈبو دیا گیا۔

(۷) السَّمَاءَ منصوب ہے۔ بَنَيْنَا محذوف کی وجہ سے۔ بَنَيْنَا السَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا

(۸) یعنی آسمان پہلے ہی بہت وسیع ہے لیکن ہم اس کو اس سے بھی زیادہ وسیع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یا آسمان سے



اور زمین کو ہم نے فرش بنا دیا ہے۔<sup>(۱)</sup> پس ہم بہت ہی اچھے بچھانے والے ہیں۔ (۳۸)

اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا<sup>(۲)</sup> ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔<sup>(۳)</sup> (۳۹)

پس تم اللہ کی طرف دوڑ بھاگ (یعنی رجوع) کرو،<sup>(۴)</sup> یقیناً میں تمہیں اس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں۔ (۵۰)

اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ۔ بیشک میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔<sup>(۵)</sup> (۵۱)

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ (۵۲)

کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے

وَالْأَرْضُ قَرْنُهَا فَنِعْمَ الْمِهْدُونَ ﴿۳۸﴾

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۳۹﴾

فَرُّوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۰﴾

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۵۱﴾

كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا

قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مُجُنٌّ ﴿۵۲﴾

أَتَوْا صَوَابَهُمْ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۵۲﴾

بارش برسا کر روزی کشادہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یا مونسع کو وسع سے قرار دیا جائے (طاقت و قدرت رکھنے والے) تو مطلب ہو گا کہ ہمارے اندر اس جیسے اور آسمان بنانے کی بھی طاقت و قدرت موجود ہے۔ ہم آسمان و زمین بنا کر تھک نہیں گئے ہیں بلکہ ہماری قدرت و طاقت کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔

(۱) یعنی فرش کی طرح اسے بچھا دیا ہے۔

(۲) یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا، نر اور مادہ یا اس کی مقابل اور ضد کو بھی پیدا کیا ہے۔ جیسے روشنی اور اندھیرا، خشکی اور تری، چاند اور سورج، بیٹھا اور کڑوا، رات اور دن، خیر اور شر، زندگی اور موت، ایمان اور کفر، شقاوت اور سعادت، جنت اور دوزخ، جن و انس وغیرہ، حتیٰ کہ حیوانات (جاندار) کے مقابل، جمادات (بے جان) اس لیے ضروری ہے کہ دنیا کا بھی جوڑا ہو یعنی آخرت، دنیا کے بالمقابل دوسری زندگی۔

(۳) یہ جان لو کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک اللہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۴) یعنی کفر و معصیت سے توبہ کر کے فوراً بارگاہ الہی میں جھک جاؤ، اس میں تاخیر مت کرو۔

(۵) یعنی میں تمہیں کھول کھول کر ڈرا رہا اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں کہ صرف ایک اللہ کی طرف رجوع کرو، اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت کرو، اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک مت کرو۔ ایسا کرو گے تو یاد رکھنا، جنت کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ گے۔

ہیں۔<sup>(۱)</sup> (۵۳)  
 (نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں۔<sup>(۲)</sup> تو آپ ان  
 سے منہ پھیر لیں آپ پر کوئی ملامت نہیں۔ (۵۳)  
 اور نصیحت کرتے رہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو  
 نفع دے گی۔<sup>(۳)</sup> (۵۵)  
 میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے  
 کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔<sup>(۴)</sup> (۵۶)  
 نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے  
 کہ یہ مجھے کھلائیں۔<sup>(۵)</sup> (۵۷)  
 اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں تو انائی والا اور  
 زور آور ہے۔ (۵۸)  
 پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں بھی ان کے

مَقُولَ عَنكُمْ فَأَنْتَ بِسُلُومٍ ۝  
 وَذُرِّيَّةَ الَّذِينَ نَتَّعَمُ الْمُؤْمِنِينَ ۝  
 وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝  
 مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا ۝  
 إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝  
 فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ

(۱) یعنی ہر بعد میں آنے والی قوم نے اس طرح رسولوں کی تکذیب کی اور انہیں جادو گر اور دیوانہ قرار دیا، جیسے پچھلی قومیں بعد  
 میں آنے والی قوموں کے لیے وصیت کر کے جاتی رہی ہیں۔ یکے بعد دیگرے ہر قوم نے یہی تکذیب کا راستہ اختیار کیا۔  
 (۲) یعنی ایک دوسرے کو وصیت تو نہیں کی بلکہ ہر قوم ہی اپنی اپنی جگہ سرکش ہے، اس لیے ان سب کے دل بھی متشابہ  
 ہیں اور ان کے طور اطوار بھی ملتے جلتے۔ اس لیے متاخرین نے بھی وہی کچھ کہا اور کیا جو متقدمین نے کہا اور کیا۔  
 (۳) اس لیے کہ نصیحت سے فائدہ انہیں کو پہنچتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، اس نصیحت سے وہ  
 لوگ یقیناً فائدہ اٹھائیں گے جن کی بابت اللہ کے علم میں ہے کہ وہ ایمان لائیں گے۔  
 (۴) اس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارادہ شرعیہ تکلیفیہ کا اظہار ہے جو اس کو محبوب و مطلوب ہے کہ تمام انس و جن صرف  
 ایک اللہ کی عبادت کریں اور اطاعت بھی اسی ایک کی کریں۔ اگر اس کا تعلق ارادہ تکوینی سے ہوتا، پھر تو کوئی انس و جن  
 اللہ کی عبادت و اطاعت سے انحراف کی طاقت ہی نہ رکھتا۔ یعنی اس میں انسانوں اور جنوں کو اس مقصد زندگی کی یاد دہانی  
 کرائی گئی ہے، جسے اگر انہوں نے فراموش کیے رکھا تو آخرت میں سخت باز پرس ہوگی اور وہ اس امتحان میں ناکام قرار  
 پائیں گے جس میں اللہ نے ان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر ڈالا ہے۔  
 (۵) یعنی میری عبادت و اطاعت سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ مجھے کما کر کھلائیں، جیسا کہ دوسرے آقاؤں کا مقصد  
 ہوتا ہے، بلکہ رزق کے سارے خزانے تو خود میرے ہی پاس ہیں میری عبادت و اطاعت سے تو خود ان ہی کو فائدہ ہوگا  
 کہ ان کی آخرت سنور جائے گی نہ کہ مجھے کوئی فائدہ ہوگا۔

فَلَا يَسْمَعُونَ ۝

ساتھیوں کے حصہ کے مثل حصہ ملے گا،<sup>(۱)</sup> لہذا وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں۔<sup>(۲)</sup> (۵۹)  
پس خرابی ہے منکروں کو ان کے اس دن کی جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں۔ (۶۰)

قَوْلِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ۝

سورہ طور مکی ہے اور اس میں انچاس آیتیں ہیں اور دو رکوع ہیں۔

سُورَةُ الطُّورِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

قسم ہے طور کی۔<sup>(۱)</sup>  
اور لکھی ہوئی کتاب کی۔<sup>(۲)</sup>  
جو جھلی کے کھلے ہوئے ورق میں ہے۔<sup>(۳)</sup>  
اور آباد گھر کی۔<sup>(۴)</sup>

وَالطُّورِ ۝

وَكِتَابٍ مَّنشُورٍ ۝

فِي رَقٍ مَّنشُورٍ ۝

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۝

(۱) ذُنُوبُ کے معنی بھرے ڈول کے ہیں۔ کنویں سے ڈول میں پانی نکال کر تقسیم کیا جاتا ہے اس اعتبار سے یہاں ڈول کو حصے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ ظالموں کو عذاب سے حصہ پہنچے گا، جس طرح اس سے پہلے کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والوں کو ان کے عذاب کا حصہ ملا تھا۔

(۲) لیکن یہ حصہ عذاب انہیں کب پہنچے گا، یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لیے طلب عذاب میں جلدی نہ کریں۔  
(۳) طُوْرٌ وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ اسے طور سینا بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ نے اس کے اسی شرف کی بنا پر اس کی قسم کھائی ہے۔

(۴) مَنشُورٍ کے معنی ہیں۔ مکتوب، لکھی ہوئی چیز۔ اس کا مصداق مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید، لوح محفوظ، تمام کتب منزلہ یا وہ انسانی اعمال نامے جو فرشتے لکھتے ہیں۔

(۵) یہ متعلق ہے مَنشُورٍ کے۔ رَقٍ وہ باریک چمڑا جس پر لکھا جاتا تھا۔ مَنشُورٍ بمعنی مَنسُوطٍ، پھیلا یا کھلا ہوا۔

(۶) یہ بیت معمور، ساتویں آسمان پر وہ عبادت خانہ ہے جس میں فرشتے عبادت کرتے ہیں۔ یہ عبادت خانہ فرشتوں سے اس طرح بھرا ہوتا ہے کہ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے عبادت کے لیے آتے ہیں جن کی پھر دوبارہ قیامت تک باری نہیں آتی۔ جیسا کہ احادیث معراج میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض بیت معمور سے مراد خانہ کعبہ لیتے ہیں، جو عبادت کے لیے آنے والے انسانوں سے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ معمور کے معنی ہی آباد اور بھرے ہوئے کے ہیں۔